سلسلۂ تقاریر الٓـمّٓر

سُوْرَۃُ الرَّعْد

—— ڈاکٹر اسرار احمد

السلام علیکم! نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم ــــ امّا بعد

فَاعوذ باللہ من الشیطٰن الرّجیم ـ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ط

الٓمّٓرٰ قف تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ط وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ط كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ط يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝ اٰمنتُ بِاللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْمُ ـ

قرآن حکیم کی دو سورتوں کا آغاز چار چار حروفِ مقطعات سے ہوتا ہے۔ ایک 'سورۂ رعد' اور دوسری 'سورۂ اعراف' ــــ ان میں سے سورۂ 'رعد' آلرٰ سیریز کے درمیان واقع ہوئی ہے۔ لہٰذا پہلے اس کے بارے میں گفتگو ہوگی۔

یہ سورۂ مبارکہ ۴۳ آیات اور ۶ رکوعوں پر مشتمل ہے۔ اپنے اسلوب کے اعتبار سے اور مضامین کے اعتبار سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکی دور کے بالکل اواخر میں نازل ہوئی۔ اس کی بعض آیات میں معنوی اور لفظی اعتبار سے سورۃ بقرہ کی بعض آیات سے بڑی گہری مناسبت اور مشابہت ہے۔ پھر یہ کہ اگر سورۃ الحجر سے سورۃ الرعد کا تقابل کیا جائے تو تعدادِ رکوع کے اعتبار سے دونوں بالکل ہم پلّہ ہیں۔ یعنی دونوں سورتیں چھ چھ رکوعوں پر مشتمل ہیں لیکن سورۃ الحجر کی آیات کی تعداد ۹۹ ہے اور سورۃ الرعد کی آیات کی کل تعداد ۴۳ ہے۔

یہ سورۃ 'الٓمّٓرٰ' سے شروع ہوتی ہے۔ ان حروفِ مقطعات کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی رائے یہ ہے کہ یہ حروف مخفف ہیں ایک مکمل جملے کے اور وہ جملہ ہے " اَنَا اللّٰہُ اَعْلَمُ وَاَرٰی" یعنی میں اللہ سب سے بڑھ کر جاننے والا اور

ہوں اور دیکھ بھی رہا ہوں (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ) قرآن مجید کی دوسری بہت سی مکی سورتوں کے اسلوب کے مطابق اس سورۂ مبارکہ کے آغاز میں بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت و رسالت اور قرآن مجید کی حقانیت کا ذکر ہے اور اختتام بھی اسی مضمون پر ہوا۔ آغاز میں ارشاد ہوتا ہے:

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۗ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

"یہ کتاب الٰہی کی آیات ہیں اور (اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم!) جو کچھ آپؐ پر آپؐ کے رب کی طرف سے نازل کیا جا رہا ہے، وہ سر تا سر حق ہے لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں، جانتے نہیں۔"

اور آخری آیت یہ ہے:

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ۝

"(اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) یہ کفر و انکار کی روش اختیار کرنے والے یہ کہتے ہیں کہ آپؐ ہرگز رسول نہیں ہیں"۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۝

"کہہ دیجئے! کہ میرے اور تمہارے مابین اللہ کافی ہے بطور گواہ"۔ وہ جانتا ہے۔ بلکہ آپؐ کی صداقت اور آپؐ کی نبوّت اور رسالت کا سب سے بڑا شاہد اور سب سے بڑا گواہ خود اللہ ہے ___ اور وہ بطور گواہ کافی ہے۔ ہاں ایک اور گواہی بھی ہے۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ۝

"وہ لوگ کہ جن کے پاس سالقہ کتب سماویہ کا علم ہے"۔ وہ بھی خوب جانتے ہیں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اس میں اشارہ ہو رہا ہے علماءِ یہود کی طرف جن کی بارے میں سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوا۔ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ۔ وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔ اور اسی کی طرف اشارہ ہوا اس سورۂ مبارکہ کی آخری آیت میں بھی۔

پہلے رکوع میں پہلی آیت کے بعد چند آیات میں توحید اور معاد کا مضمون بیان ہوا ہے اور اس کے ضمن میں ایک عجیب پیرائیہ بیان ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۬

اگر کسی کو تعجب کرنا ہی ہے تو قابلِ تعجب تو قول ان کا ہے کہ جب ہم مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہمیں دوبارہ از سرِ نو تخلیق کر لیا جائے گا۔ یعنی بعث بعد الموت میں تعجب نہیں ہے بلکہ تعجب کیا جانا چاہیئے ان لوگوں کے قول پر جو اسے محال سمجھ رہے ہیں، ناممکن سمجھ رہے ہیں۔ اس لئے کہ یہ بعث بعد الموت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے اور اگر کوئی شخص اللہ کو مانتا ہے تو اسے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (یعنی ہر چیز پر قادر) ہے۔

اب اگر اللہ علٰی کُلِّ شَیْءٍ قدیر ہے تو ظاہر بات ہے کہ اس کے لئے مرنے کے بعد کسی کو دوبارہ پیدا کرنا قطعاً کوئی مشکل کام نہیں ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ۔ یہ لوگ جو آخرت کا انکار کر رہے ہیں، بعث بعد الموت کا انکار کر رہے ہیں، وہ درحقیقت اپنے رب کا انکار کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ لوگ اس کی قدرتِ کاملہ کا انکار کر رہے ہیں تو یہ واضح رہنا چاہیئے کہ اللہ کی کسی صفت کا انکار بھی اس کا مکمل انکار ہے۔ درحقیقت یہ لوگ اللہ کو نہیں مانتے، خدا پر ان کا یقین نہیں ہے۔ ورنہ اگر کوئی شخص اللہ کو مانے جیسا کہ ماننے کا حق ہے تو پھر اس کے لئے معاد (یعنی آخرت) کے تسلیم کرنے میں قطعاً کوئی دشواری اور دقت نہیں ہو سکتی۔

اس سورت میں انسانی تہذیب و تمدّن یا یوں کہئے کہ انسانی اجتماعیات کے ضمن میں دو نہایت اہم اصول بیان ہوئے ہیں اور کہا جا سکتا ہے کہ یہ عمرانیاتِ قرآنی (QURANIC SOCIALOGY) کے دو نہایت اہم اصول (CARDINAL PRINCIPLES) ہیں۔ جو اس سورۂ مبارکہ میں وارد ہو رہے ہیں۔ ان میں سے پہلا یہ ہے کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔

"اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا، جب تک وہ خود اپنے نفوس کی کیفیت کو بدلنے (اپنے آپ کو تبدیل کرنے) پر آمادہ نہ ہو"

یہ مضمون اس قدر اہم ہے کہ قرآن مجید میں سورۂ انفال میں بھی وارد ہوا ہے۔ لیکن وہاں اسلوب ذرا مختلف ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ

یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو جو نعمت عطا فرماتا ہے اسے کبھی زائل نہیں

فرمایا کرتا۔ جب تک وہ قوم اپنے آپ کو بدل نہ دے"
یعنی اگر قوم کی نفسیاتی کیفیات ہی تبدیل ہو جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بھی سلب فرما لیا کرتا ہے۔ اس آیت کا ایک تو بالکل سرسری سا مفہوم ہے جسے کسی شاعر نے بڑی خوبصورتی سے ایک شعر میں پرو دیا ہے ؎

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس آیۂ مبارکہ کا مفہوم اس سے کہیں گہرا ہے۔ جو بات اس میں بیان کی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ کسی قوم کے جو ظاہری حالات ہیں وہ فیصلہ کن نہیں ہوا کرتے۔ اصل فیصلہ کن چیز لوگوں کے غور و فکر کے زاوئیے، ان کے سوچنے کے انداز، ان کے قلب و ذہن کی باطنی کیفیات اور ان کی وہ اقدار (یعنی VALUE SYSTEM) ہوا کرتی ہیں کہ جن پر ان کے طرزِ عمل اور ان کی دوڑ دھوپ کا دار و مدار ہے۔ جب تک یہ چیزیں نہیں بدلتیں کسی قوم کی حالت نہیں بدل سکتی۔

محض ظاہری ٹیپ ٹاپ اور کچھ اوپری سی تبدیلیوں سے کسی قوم کے حالات کے اندر کوئی بنیادی اور پائیدار تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ یہی بات ہے جو علاّمہ اقبال نے قرآن حکیم کے بارے میں کہی ہے۔ اور بڑے خوبصورت انداز میں کہی ہے ؎

چوں بجاں در رفت جاں دیگر شود
جاں چوں دیگر شد جہاں دیگر شود

یعنی جب یہ قرآن کسی کے باطن میں سرایت کر جاتا ہے تو اس کے اندر ایک انقلاب آ جاتا ہے۔ اس کے سوچنے کے انداز بدل جاتے ہیں۔ اس کے نظریات تبدیل ہو جاتے ہیں۔ اس کی اقدار بدل جاتی ہیں۔ پہلے زندگی سب سے زیادہ محبوب شے تھی۔ اب موت عزیز تر ہو جاتی ہے۔ یہ اندرونی انقلاب ہے۔ یہی باطنی انقلاب ہے جو کسی عالمگیر انقلاب کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ لیکن جب تک یہ انقلاب برپا نہ ہو جائے محض ظاہری تبدیلیوں سے اسلامی انقلاب دنیا میں نہیں لایا جا سکتا۔

دوسرا اصول، اور وہ بھی بہت اہم ہے، تاریخ و تمدّن کے فلسفے کے بڑے ہی اہم مسئلے سے بحث کرتا ہے۔ انسانوں نے اپنے حالات پر جب غور کیا اور تاریخ پر جب غور کیا تو نظر آیا کہ

ایک مسلسل کش مکش اور ایک مسلسل تصادم نظر آتا ہے۔ اس کش مکش اور تصادم کو اس دور میں مارکس نے دعویٰ اور جواب دعویٰ اور ان کا باہمی تصادم یعنی Thesis اور Anti Thesis اور بعد میں اس کے نتیجے میں SYNTHESIS کے وجود میں آنے سے تعبیر کیا ہے۔ قرآنِ حکیم اس کش مکش کو حق و باطل کی کش مکش قرار دیتا ہے۔ کش مکش اور تصادم تاریخ انسانی میں یقیناً رہا ہے اور اب بھی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ لیکن یہ تصادم اور کش مکش حق و باطل کے مابین ہے۔ بقول علّامہ اقبالؒ ؎

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بُولہبی

اس کش مکش کو قرآن مجید تعبیر فرماتا ہے کہ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ یعنی اسی طرح اللہ تعالیٰ حق کو باطل سے ٹکراتا ہے۔ لیکن اس ٹکراؤ میں دو تمثیلیں دی گئیں کہ جیسے کبھی بارش ہوتی ہے اور سیلاب آتا ہے تو اس سیلاب پہ بہت سا جھاگ بھی ہوتا ہے۔ یا اگر تم دھاتوں کو زیورات بنانے کے لئے یا کسی اور غرض سے پگھلاتے ہو تو اس عمل میں بھی ایک جھاگ اوپر آجایا کرتا ہے۔ یہ جھاگ دیکھنے میں تو بہت نمایاں ہوتا ہے لیکن اس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ فرمایا: فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً "وہ جھاگ جو ہے وہ تو ختم ہو جاتا ہے"، یعنی اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ

"جو چیز لوگوں کے لئے منفعت بخش ہوتی ہے، مفید ہوتی ہے، وہ زمین میں ٹھہرتی ہے ثبات کے ساتھ۔"

اس تصادم کے نتیجے میں جو بھی صورت ایسی ظہور میں آئے گی جو نوعِ انسانی کے حق میں بحیثیت مجموعی مفید اور منفعت بخش ہوگی فی الواقع ثبات اور دوام اسی کو ہوگا۔ باقی یہ کہ مختلف حالات میں اور مختلف اوقات میں ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بظاہر اپنا خوب رنگ جمائے۔ اس جھاگ کے مانند جو بظاہر چھائی ہوئی نظر آتی ہے لیکن اگر اس میں نوعِ انسانی کے لئے حقیقی منفعت نہیں ہے تو وہ چیز پائیدار نہ ہوگی، دنیا میں قائم نہ رہ سکے گی۔ قائم رہنے والی چیز وہی ہے جو انسانوں کے لئے منفعت بخش ہے۔

ایک آخری بات جو اس سورۂ مبارکہ کی ایک عظیم آیت میں آئی ہے جو درحقیقت

نفسیاتِ انسانی کی ایک بڑی گہری حقیقت سے بحث کرتی ہے اور نفسیاتی امراض کے علاج معالجے میں ہمارے جدید معالجین کو جو ناکامی ہو رہی ہے اس کے اصل سبب کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے ۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۔

آگاہ ہو جاؤ دلوں کو سکون اگر مل سکتا ہے تو صرف اللہ کی یاد سے ' کسی بھی مصنوعی تدبیر سے خواب آور یا سکون بخش گولیوں (TRANQUILIZER اور SEDITIVE) سے انسان کے قلب کو اطمینان اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا ۔ آپ کچھ دیر کے لئے اس کو بے حس کر سکتے ہیں ۔ سلا سکتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دل کو راحت اگر مل سکتی ہے ' سکون حاصل ہو سکتا ہے تو اللہ پر ایمان اور یقین سے اور ذکرِ الٰہی سے ۔ اطمینانِ قلب کے لئے اس کے علاوہ کوئی مؤثر نسخہ موجود نہیں ہے ۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے ذکر کی توفیق اور اس کی لذت عطا فرمائے ۔ اور قلبی اور ذہنی اطمینان کی دولت سے بہرہ ور فرمائے ۔

بارك الله لي ولكم في القرآن العظيم
ونفعني وإياكم بالآيات والذكر الحكيم

بقیہ : تدریسی کورس کے سالِ اوّل کی روداد

اکیڈمی ' ۳۶ ۔ کے ' ماڈل ٹاؤن ' لاہور میں زیادہ سے زیادہ پندرہ رمضان المبارک تک پہنچ جانی چاہئیں ۔ شوال کے پہلے ہفتے میں ان شاء اللہ انٹرویو لئے جائیں گے ۔ اور زیادہ سے زیادہ ۱۰ ارشوال المکرم سے نئے سال کی تدریس کا آغاز ہو جائے گا ۔ ان شاء اللہ العزیز !

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے دین متین اور کتابِ حکیم کی بیش از بیش خدمت کی توفیق عطا فرمائے ۔ آمین ۔